

ترکی میں احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دورۂ ترکی کے مشاہدات

۱. از جناب غلیل حامدی صاحب

(۵)

جامع الیوبٹ | حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ایک وسیع اور کثادہ عمارت کے اندر ہے۔ کاشی کے کام نے عمارت کو حُسنِ باطن کے ساتھ ساتھ حُسنِ ظاہر کا پیکر بھی بنا دیا ہے مزار شریف کے ساتھ ہی مسجد ہے جسے جامع الیوبٹ کہتے ہیں۔ اور یہ اُن پختہ مساجد میں سے ایک ہے جو خلفائے اہل عثمان کی اسلام سے وابستگی کی لازوال یادگاریں سمجھی جاتی ہیں۔ ترکی زبان میں مسجد کا لفظ مسجدت کم سننے میں آتا ہے۔ جسے ہم مسجد کہتے ہیں ترک اُسے جامع کہتے ہیں۔ پچھلے صفحات میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ابوالیوبٹ اُس لشکر میں شریک تھے جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۶۴۸ھ (۶۶۸ء) میں قسطنطنیہ پر حملہ کے لیے روانہ کیا تھا۔ محاصرہ کے دوران حضرت ابوالیوبٹ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے انہوں نے یہ وصیت فرمادی تھی کہ میری میت کو قسطنطنیہ کی دیواروں سے جس قدر قریب سے جا کر دفن کیا جاسکے دفن کر دیا جائے چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق قسطنطنیہ کی فصیل سے متصل آپ کو دفن کر دیا گیا اور جب اسلامی فوج نے محاصرہ اٹھایا تو اعلان کر دیا گیا کہ اگر اس قبر کو کوئی گزند پہنچا تو شام یا اسلامی دنیا میں کسی مسیحی عمارت کو محفوظ نہ چھوڑا جائے گا۔ سلطان محمد فاتح نے جب ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ فتح کیا تو فتح کے تیسرے روز ایک بزرگ نے حضرت ابوالیوبٹ کے مرقد مبارک کا سراغ لگایا اور وہاں آپ کا مقبرہ اور مسجد تعمیر کی گئی۔ اس جلیل القدر صحابی کی قبر کے انکشاف سے فاتح عثمانی لشکر کے اندر مسرت و افتخار کی لہر دوڑ گئی مؤرخین کے بیان کے مطابق ہر لشکر اس احساس میں ڈوب گیا کہ اس فتح کے

اصل قائدہ مقدس صحابی ہیں جو آٹھ سو سال سے فصیلِ قسطنطنیہ کے پاس اس اسلامی لشکر کا انتظار کر رہے ہیں جو اس فصیل کو عبور کرے گا۔

سلطنت عثمانیہ کے بانی عثمان اول (۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۶ء) کی جو تلوار آل عثمان کے پاس نسلاً بعد نسل چلی آرہی تھی، محمد الفاتح نے وہ تلوار جامع ایوبیہ میں رکھوا دی۔ محمد الفاتح کے بعد جو سلطان بھی سریرِ آرٹ نے سلطنت ہوتا وہ جامع ایوبیہ میں حاضری دیتا اور اس تلوار کو حائل کرتا۔ دنیا پرست سلاطین تاجپوشی کے وقت جو ٹمسر فائز تقریبیں منعقد کرتے ہیں اور جس جاہ و جلال کی نمائش کرتے ہیں، عثمانی سلاطین ان کے برعکس اس روایت کے پابند رہے ہیں کہ تخت نشینی کے وقت سلطان بادشاہ ہو کر مسجد ایوبیہ میں حاضر ہوتا، دو رکعت نماز ادا کرتا اور مسجد کے امام صاحب کے ہاتھ سے سیبِ عثمانی لے کر گلے میں حائل کرتا۔ اسی طرح جب کوئی لشکر جہاد کے لیے نکلتا تو سالارِ لشکر اس موقع پر بھی امام کے ہاتھ سے اس تلوار کو لیتا اور یہ عہد کرتا کہ "تلوار اسلام کی محافظ رہے گی اور اسلام تلوار کا محافظ رہے گا۔" اس کے بعد تکبیر و تہلیل کے نعروں کے ساتھ وہ اپنی سپاہ کو لے کر جہاد کے لیے روانہ ہو جاتا۔

جامع ایوبیہ میں نمازیوں اور زائرین کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں استنبول کی روح اس مسجد میں کھینچ آتی ہے۔ قراء کی جماعتیں باری باری تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتی ہیں۔ ترکوں کو قرآن پڑھنے اور قرآن سننے کا بڑا شوق ہے۔ نمازوں کے اوقات کے علاوہ بھی لوگ صرف قرآن سننے کے لیے مسجد میں آتے ہیں۔ اور ہمتن گوش ہو کر کلامِ خداوندی کو سنتے ہیں۔ عورتوں کا بھی بڑا رجوع ہے۔ مغربی لباس میں ملبوس عورتیں جب مسجد میں داخل ہوتی ہیں تو ٹانگوں کو لمبے گون یا سیاہ جرابوں سے ڈھانک لیتی ہیں اور سرور پر رومال باندھ لیتی ہیں۔ پورا ماحول خشیت اور تقدس کی فضا سے معمور ہوتا ہے۔ مزارِ ایوبیہ کی طرح جامع ایوبیہ بھی تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ گنبدوں کے جھرمٹ اور بیچی کاری کے کمالات دیکھتے آنکھیں نہیں ٹھکتیں۔ بے اختیار اس ترکی معمار کے حق میں کلماتِ تحمیں زبان پر جاری ہو جاتے ہیں جس کے فن نے محمد الفاتح کی اس مخلصانہ کوشش کو چار چاند لگا دیئے۔ مسجد کے ایک ملحقہ کمرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تبرکات بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اس دہرے تقدس کی وجہ سے

پر بیڑ گاڑ کر اس مسجد میں بکثرت نماز کے لیے آتے ہیں۔ اور مفتیس دانوں کی ایک تسبیح پھرتے رہتے ہیں۔

مزار ابویوب جامع ابویوب میں دو گناہ ادا کر کے ہم مزار شریف کی جانب سلام کے لیے گئے۔ مزار کا وسیع و عریض صحن زائرین کے لیے ناکافی ہو رہا تھا۔ قبر مبارک ایک بال ناکرے کے اندر ہے۔ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے سے نکلتے ہیں۔ سلام کہنے والے مردوں اور عورتوں کی دو لمبی قطاریں لگ رہی تھیں۔ ۲۵-۲۰ کی تعداد میں زائرین اندر داخل ہوتے اور سلام اور مختصر دعا کے بعد پہرہ دار سپاہیوں کے معمولی اشارے سے واپس ہو جاتے۔ پاکستانی زائر ہونے کی وجہ سے مجھے قطار کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اندر داخل ہوا اور اس سبیل القدر صحابی کو جو آج ترکی کی ملتِ مسلمہ کے دینی جوش و جذبہ کا محرک بنا ہوا ہے، سلام مسنون پیش کیا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ قبر خوش عقیدہ لوگوں کے تصرفات سے محفوظ ہے۔ کوئی نذر نذرانہ نہیں، گل پاشی و شمع افروزی نہیں، طواف و سجدہ نہیں۔ پر وہ سکوت چھا رہا ہے۔ لوگ پورے احترام اور وقار کے ساتھ دم سادھے سلام کرتے ہیں اور چند لمحات کے بعد نکل جاتے ہیں۔ ترک قوم کے اندر مجموعی طور پر جو نفاست اور سلیقہ شکاری پائی جاتی ہے وہ ہر جگہ نمایاں ہے یہاں تھیں نے بتایا کہ حضرت ابو ایوبؓ کا جسم مبارک سونے کے ایک بڑا صندوق کے اندر ہے جو قبر کے اندر رکھا ہوا ہے۔ قبر کی ساخت ترکی طریقے کے مطابق سر کی جانب سے اونچی اور پاؤں کی جانب سے کافی پست ہے۔ ترکان جنگ آزما کا یہ قدیم عقیدہ ہے کہ زندگی کی طرح موت بھی نشیب و فراز سے بھری ہونی چاہیے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا وہ مکان جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ کے وقت پہلی مرتبہ اترے تھے اُسے بارہا مدینہ منورہ میں دیکھا ہے۔ یہ مکان آنحضور کے روضہ اقدس سے چند قدم کے فاصلے پر ہے اور آج بھی اسی بزرگ خانوادہ کے ایک فرد ابو الجود انصاری کے پاس ہے۔ اب خود حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی نصیب ہو گئی۔ واللہ الحمد۔

ایاصوفیا استنبول کی بعض دوسری مسجدوں کی بھی طائرانہ زیارت کی مگر خاکسار کے دل میں ایک نہایت قدیم آرزو چمکیاں لے رہی تھی۔ وہ تھی جامع ایاصوفیا کی زیارت۔ یہ تاریخی جامع جسے اب ترکی کی سرکاری زبان میں ایاصوفیا میوزیم کہا جاتا ہے، اور ترکی کے مسلمان جامع ایاصوفیا کہتے ہیں، استنبول کے یورپی حصہ کے اندر منقطع فاتح میں واقع ہے۔ نماز عصر سے آدھ گنٹہ پیشتر ہم جامع ایاصوفیا میں داخل ہو گئے۔ چونکہ یہ جامع

اب سرکاری طور پر میوزیم میں تبدیل ہو چکی ہے اس لیے اس میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہوتا ہے اور ان کو اب و حدود کی پابندی نہیں کرائی جاتی جو مسجد کے لیے مخصوص ہیں۔ ایاصوفیا کیا ہے؟ انسان کی ترقی تخلیق کا ایسا نگار خانہ جس میں حسن و جمال بھی نقطہ کمال کو چھو رہا ہے اور تقدس و روحانیت کا سیل نور بھی موجزن ہے۔ چار میناروں کی مسجد آٹھ بجاری ستونوں پر قائم ہے۔ درمیان میں کانسٹی کی دیوہیکل تہذیبیں آویزاں ہیں پورا صحن اور دیواریں قیمتی پتھروں سے مرتع ہیں۔ یہ پتھر مصر سے منگوائے گئے تھے۔ اندر نماز کی جگہ پر ابھی تک قالمیں بچے ہوئے ہیں۔ محراب میں امام کا مخصوص یوزنیارم رسیاہ کون اور لال ٹوپہ پہکا ہوا ہے۔ صحنوں میں ترکی مسجدوں کے رواج کے مطابق صدوانہ تسبیحیں بکھری پڑی ہیں مگر یا خدا کے پرستاروں کی کوئی جماعت ابھی الہی عبادت سے فارغ ہو کر اٹھی ہے۔ سرد و دیوار پر قرآن کی آیات، اسمائے حسنیٰ اور غلامے راشدین کے اسماء گرامی کندہ ہیں۔ بیرونی صحن میں وضو کرنے کی ٹنکی نصب ہے جو گول دائرے کی شکل میں ہے اور چاروں طرف وضو کے لیے نشستیں بنی ہوئی ہیں۔ عثمانی خلفاء کو مذہبی عمارات اور بالخصوص مساجد کی تعمیر سے جو دلچسپی تھی اُس کا صحیح عکس حرم مکی اور حرم نبوی کے بعد ایاصوفیا میں دیکھا جاسکتا ہے۔

تاریخی پس منظر | ایاصوفیا کی تعمیر ۳۶۰ء میں قیصر قسطنطین کے عہد میں ہوئی تھی۔ اس کے افتتاح پر قسطنطین نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ایاصوفیا عظمت میں ہیکل سلیمانی پر فوقیت رکھتا ہے قسطنطین کے ان الفاظ کا توغایہ تھا کہ یہودیت کے مقابلے میں عیسائیت برحق ہے قسطنطین نے ایاصوفیا کو بظاہر آرزو خود کس کلیسا کا نام دیا مگر یہ درحقیقت صلیبی حکومت کے سربراہ کا مرکز تھا اور اسے نہ صرف مذہبی حیثیت تھی بلکہ سیاسی اہمیت بھی حاصل تھی۔ سلطان محمد الفاتح نے ۱۴۵۳ء میں جب قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو قیصر نے ایاصوفیا کو مرکز بنا کر سلطان کا جان نذر متبادل کیا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان نے ایاصوفیا کی اسی سیاسی اہمیت کے پیش نظر اسے کسی دوسرے تعارف میں لانے کے بجائے مسجد میں تبدیل کر دیا۔ قسطنطنیہ میں محمد فاتح کا داخلہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو ہوا تھا۔ یہ جمعہ کا روز تھا۔ ظہر کے قریب سلطان اپنے وزیر اور امراء کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ ایاصوفیا کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُترا اور اس عالیشان معبد کے اندر چلا گیا جس میں گیارہ سو برس سے تین خداؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ سلطان نے مومن کو حکم دیا کہ اللہ کے بندوں کو اس کی عبادت کے لیے آواز دے۔ اور

حسب معمول خود خطبہ جمعہ دینے کے بجائے اپنے شیخ الاسلام کو خطبہ دینے اور امامت کرنے کا حکم دیا۔ شیخ الاسلام نے جدو ثمان کے بعد فتح قسطنطنیہ سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی کہ:۔
لَفَتَحَتِ الْقُسْطَنْطِينَیَہ فَلَیْمَ الْأَمِیرِ الْأَمِیرِ هَادِلِیْمَ الْجِیْشِ حَبِیْبُہَا شیخ الاسلام نے فتح کی بے پایاں خوشی کے باوجود صحابہؓ کے احترام کے پیش نظر اس حدیث کی وضاحت میں کہا کہ فتح قسطنطنیہ کی ابتداء اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اس کا اصل سہرا اُن بزرگ ہستیوں کے سر ہے عثمانی مجاہدین اس فتح کی محض تکمیل کرنے والے ہیں سلطان محمد الفاتح اور آپ کے ساتھیوں نے دنیا پرست فاجرین کے برعکس قسطنطنیہ پر اپنے اقتدار کا آغاز خدا کے حضور سرانگندگی سے کیا۔ سلطان نے اعلان کر دیا کہ ایاصوفیا میں آج سے تین خداؤں کے بجائے صرف ایک خدا کا نام بلند ہونا کرے گا۔ ایاصوفیا کے صدر دروازے کی پیشانی پر سلطان نے مذکورہ بالا حدیث بھی ایک پتھر پر نقش کروادی۔ یہ حدیث آج بھی ہزاروں کی نگاہ اولین کامرکز بنتی ہے۔

ایاصوفیا اور ترک مسلمان مصطفیٰ کمال پاشا کے عہد میں ایاصوفیا کی اسلامی حیثیت کو ختم کر دیا گیا اور اسے مسجد کے بجائے میوزیم قرار دے دیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس ناروا اقدام پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا گیا مگر تشدد اور دہشت انگیزی کی جو غمشیر اندھا دھند اسلام کی ہر روایت کو کاٹتی چلی جا رہی تھی اُس نے یہاں بھی ملت اسلامی کے بنیاد کی کوئی پروا نہ کی۔ اب جب کہ ترکی میں اسلام از نو کوٹ لے رہا ہے ایاصوفیا کو واکزار کرانے اور اسے بحیثیت جامع بحال کرنے کا مطالبہ بھی شدت پکڑنا جا رہا ہے۔ میرے ساتھی نائف آفندی، پروفیسر عزیز اور عبدالقادر سیرگین مجھے ایاصوفیا کے بارے میں برابر مستند معلومات فراہم کرتے رہے۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ حصہ پہلے کی بات سے کہہ پا پائے روم نے کیتھولک چرچ اور آرتھوڈوکس چرچ میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ترکی کا دھوکہ دیا اور اس دورہ میں اُس نے یہاں ایاصوفیا کی زیارت کی بلکہ کیتھولک عقیدے کے مطابق باقاعدہ مذہبی مراسم بھی ادا کیے۔ ترکی کے اخبارات میں حیب یہ خبر چھپی تو مسلمانوں پر گویا بجلی گر پڑی مسلمانوں کے بارے میں ترکی حکومت کا رویہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص جذبہ دینی سے مجبور ہو کر ایاصوفیا میں غائب ہو گیا تھا تو پولیس اُسے زد و کوب کرتی

اور اُس کے خلاف مقدمہ دائر کرتی تھی مگر اب سچی سربراہ کیہ آزادانہ طور پر یہاں مذہبی مراسم ادا کرنے والے کے اندر بھی شدید ردِ عمل ہوتا۔ چنانچہ استنبول یونیورسٹی کے طلبہ کی یونین کی طرف سے یونین کے عمیروں کے نام یہ ہدایت جاری کی گئی کہ وہ ایاصوفیا میں نماز پڑھنے کے لیے فوراً جمع ہوں۔ طلبہ کے اس فیصلے کو یونین نے صرف سینکڑوں طلبہ بلکہ استنبول کے ہزاروں نوجوان ایاصوفیا پہنچ گئے اور نماز باجماعت ادا کی۔ شہر میں خاصی ہچل چل مچ گئی۔ حکومت نے طلبہ کے لیڈروں کو گرفتار کر لیا۔ نائف آفندی نے بتایا کہ وہ بھی ان گرفتار شدگان میں شامل تھے۔ نائف آفندی نے بتایا کہ طلبہ کے لیڈروں نے حکومت کے گوش گزار کر دیا تھا کہ اگر ایاصوفیا کے اندر صلیب پرست اپنے مذہبی مراسم ادا کریں گے تو مسلمان بھی لازماً وہاں نماز ادا کریں گے۔ نائف صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھلے چار سالوں سے ایاصوفیا کا مسئلہ انتہائی نزاکت اختیار کر چکا ہے، اور اب سرکاری کیشیاں اس بات کا جائزہ لے رہی ہیں کہ کیا ایاصوفیا کو مسجد میں تبدیل کیا جاسکتا ہے؟ عبدالقادر ریزہ گین نے ایک وزیرِ رفعت ریزہ گین کے بارے میں بتایا کہ اُس نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ”میں ترکی کے ایک شہری کی حیثیت سے یہ رائے رکھتا ہوں کہ بہتر یہ ہے کہ ایاصوفیا کو فی الفور مسجد کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔“ دوستوں نے بتایا کہ ایاصوفیا کے بارے میں ترک مسلمانوں کے دل انتہائی زخم خوردہ ہیں جس مصل میں ایاصوفیا کا ذکر آتا ہے لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور سینوں میں آتشِ غم کے شعلے فروزاں ہو جاتے ہیں۔ عبدالقادر ریزہ گین نے مجھے ایاصوفیا سے متعلق ترکی نظم کے چند اشعار بھی سنائے جو آج کل زبانِ زدِ عام و خاص ہیں۔ یہ نظم ترکی کے موجودہ نامور شاعر عثمان یوکسل کی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب فتحِ استنبول کی پانصد سالہ سالگرہ منائی گئی تھی تو یہ نظم اُس وقت ترکی کے اخبارات میں چھپی تھی اور اس سے ایک دھوم مچ گئی تھی جس سبب یہ نظم اخبارات میں چھپی اسی روز عثمان یوکسل گرفتار کر لیے گئے۔ نائف آفندی نے مجھے یہ پوری نظم قلمبند کرا دی۔ پاکستان کے دوستوں کے لیے میں اس نظم کا اردو ترجمہ پیش کرنا ہوں :-

اے عثمان یوکسل پر باقاعدہ عدالت میں مقدمہ دائر ہوگا۔ اور طویل بحثوں کے بعد عدالت نے موصوف کو بری کر دیا۔

اے ایاصوفیا! اے پرتوِ اسلام، اے مایہِ افتخارِ مسلم، اے معبدِ زیبا!
ایاصوفیا! تو تنہا کیوں ہے؟ تجھ پر یہ کیسا سکوت طاری ہے؟
تیرے میناروں کی بلند یوں سے اب کیوں بجبر کی آواز سنائی نہیں دیتی کیوں
اب تیری طرف سے مدللے فلاح بلند نہیں ہوتی۔ وہ تیرا عہدِ پر شکوہ
تیری جلوہ آرائی اور نور انگنی کدھر گئی؟
ایاصوفیا! تیرے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیتی؟ اے ایاصوفیا، اے یگانہ و
تنہا ایاصوفیا! اب تیرے منبرِ دلربا سے صدائے حق کیوں نہیں اُٹھتی، تیرے
محراب کے دامن میں اب جنین کیوں خدا کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتیں۔
ایاصوفیا! کل تیری خاک نے ایمان سے لبریز مجاہدوں کے اشکِ خود اپنی آنکھ سے
بہتے دیکھے تھے۔ اور آج تیرے فرشِ پاک کو کیسے لوگ پامال کر رہے ہیں۔
اے ایاصوفیا! تیرے حق میں اس ظلم کا ارتکاب کس نے کیا ہے؟ اور کس نے بظاہر تجھ سے
تیرا نور چھیننے کی جسارت کی ہے؟

تیری قرآن کی نواسے دشمن جو دلوں کو لرزادتی تھی اب کہاں ہے؟
ایاصوفیا! تیرا چراغ کس نے گل کرنے کی حماقت کی؟ وہ کون نادان تھا جس نے قرآن
کو معبدِ فاتح سے باہر نکال دیا اور تجھے کارگرِ مستحیاء سے محروم کر دیا؟
ایاصوفیا! برملا کہہ دے کہ ایک تباہ کار ہاتھ نے تیرے دل پر زخمِ کاری لگایا ہے۔ برملا
کہہ دے کہ ایک پاگل شخص نے ایاصوفیا کو دوبارہ تنگدہ بنا دیا ہے۔
لیکن اے ایاصوفیا! اے معبدِ زیبا! ہم تجھے تنہا نہیں چھوڑیں گے، ہم بزرگِ فاتح کے سپوت
ہیں۔ ہم عنقریب تمہوں کو پاش پاش کر دیں گے اور تجھے دوبارہ مسجدِ پر شکوہ
میں تبدیل کر دیں گے۔

اُس وقت ہم اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر چشمِ ہائے خونبار کے

آنکوں سے دمنوکریں گے اور تجھے مسجدوں سے بھر دیں گے اور تیرے چتے چتے پر بکنا خاق کی بندگی بجالائیں گے۔

وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ تیرے خاموش گوشوں سے اللہ اکبر کی صدائے دل آویز بلند ہوگی اور اہل جہاں کے کانوں سے ٹکرانے لگیں۔
تب تمام دنیا یہ سمجھ جائے گی کہ محمد الفتح از سر نو زندہ ہو گیا ہے۔

ترکوں کے دل کی دھڑکن | ایاصوفیا میں داخل ہو کر انسان عجیب کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ راقم الحوادث نے دل میں ٹھان رکھی تھی کہ ایاصوفیا کی زیارت کسی تاریخی اثر یا میوزیم یا فن تعمیر کا قابل دیدیغونہ ہونے کی بنا پر نہیں کروں گا بلکہ مسجد اسلام کی حیثیت سے کروں گا۔ چنانچہ ایاصوفیا میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ محراب کے پاس دو گانہ ادا کیا اور قبل اس کے کہ پولیس کے محافظ دستے کو اطلاع ہوتی دو گانہ سے خارج ہو گیا۔ ایاصوفیا کا اندرونی ہال تیا حوں اور زائرین سے بھرا ہوا تھا میرے نماز ادا کرنے پر یہ لوگ برابر مجھے معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے رہے اور جیت تک میں مسجد کے اندر رہا چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ نائف آغدی نے بتایا کہ ترکی کے بکثرت نوجوان مجھ کے طور پر یہاں آکر نماز پڑھتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک نوجوان نماز پڑھ رہا ہوتا ہے اور اس کی کشت پر پولیس کا سپاہی بید زنی کر رہا ہوتا ہے۔ مجھے استنبول انقرہ اور قونیہ میں کئی ایسے نوجوان ملے جنہوں نے مجھے فخر سے بتایا کہ وہ ایاصوفیا میں بجا لت نماز پولیس کے بیک کھانے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں اور متعدد اس جرم میں ۳ ماہ اور ۶ ماہ کی قید بھی بھگت چکے ہیں۔ مگر اب یہ معاملہ غلطی کے ہاتھ سے نکلنا جا رہا ہے۔ افراد کے بجائے اب نوجوانوں کے گروہ ایاصوفیا میں نماز کے لیے جاتے ہیں اور اس بارے میں پولیس کے تشدد اور قانون شکنی کی پروا نہیں کرتے۔ حال ہی کی بات ہے کہ استنبول یونیورسٹی کے طلبہ ایاصوفیا میں گھس گئے اور نماز باجماعت ادا کی۔ پھر اندازہ ہے کہ ایاصوفیا ترکی میں اسلامی انقلاب کا نقطہ انفرجانت ثابت ہوگی کیونکہ یہ مسجد ترک نوجوانوں کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے۔

ایاصوفیا کا ماضی، اور اس کا حال اور ترک مسلمانوں کا اس سے لگاؤ اور اس کی رُوح پرور فضا اور تعمیری بعیت کا جائزہ لینے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے گھنٹہ یا دو گھنٹے اس کے لیے ناکافی ہیں۔ ایاصوفیا سے

باہر نکلا تو انہیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور دل جذبات سے بہہ رہا تھا۔ ان الفاظ کے ساتھ ایسا صوفیا کو سلام رخصت پیش کیا کہ جب دوبارہ استقبال میں حاضری ہوگی تو انشاء اللہ تیرے میناروں سے نعرہ توحید بلند ہوگا، خوش نوا قرآن تیرے گوشوں میں بیٹھے نعمتِ مہرِ الہی پہنچے ہوں گے اور تہکان باصفا کی جماعتیں تیرے دامن میں بحضویرِ خدا جہنہ سائی کر رہی ہوں گی۔

مسجد نیلگوں نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ ایسا صوفیا کے سامنے کی سڑک کے اُس پار مسجد سلطان احمد ہے۔ جسے مسجد نیلگوں بھی کہا جاتا ہے۔ نماز کے یہ ہم اس مسجد میں چلے گئے۔ یہاں بھی غازیوں کا جہم غنیمت تھا۔ اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ قرآن و نوبت بہ نوبت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ حاضرین کپڑے کی ٹوپیاں اوڑھے سبز جبب قرآن سننے میں محو تھے۔ ہیٹ ترکی کے قومی لباس کا ایک جز ہے۔ مگر مسلمان جب مسجد میں آئے گا تو ہیٹ دروازے پر موجود محافظ کے حوالے کر دے گا اور اپنے نمبر کا ٹوکن لے لے گا۔ استقبال کی جو چیزیں زیارت کے قابل ہیں۔ اُن میں یہ مسجد نیلگوں بھی ہے۔ یہ دنیا میں وہ واحد مسجد ہے جس کے چھ مینار ہیں جو اس قدر کم چوڑے ہیں کہ بتایا جاتا ہے کہ دنیا کی کسی مسجد میں اتنی طوالت کے ساتھ اس قدر کم چوڑائی کے مینار نہیں ہیں۔ اسے سلطان احمد اول نے ۱۶۰۹ء تا ۱۶۱۶ء میں سات سالوں کے اندر تعمیر کروایا تھا۔ تعمیر کے دوران عجلت میں یہ حقیقت فراموش ہو گئی کہ چھ میناروں کا امتیاز روزِ اول سے مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام کے لیے مخصوص ہے۔ مگر اب مسجد تیار ہو چکی تھی اور اس میں تبدیلی کا وقت نہیں رہا تھا اس لیے سلطان احمد نے اپنی مسجد کے مینار منہدم کرانے کے بجائے مسجد الحرام میں ایک مینار کا اضافہ کروا دیا اور اس کے ساتھ مینار چھو گئے۔ اگر کسی مسجد کے مینار مسجد الحرام کے میناروں سے زیادہ ہوں تو شرعاً اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر عثمانی خلفاء جو حرمین شریفین کے سچے خادم تھے اور جن کے دل اسلام کی محبت سے متور تھے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ سلطان احمد کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی مسجد کسی لحاظ سے مسجد الحرام پر فوقیت حاصل کرے۔ مسجد کا پورا فرش مرمر کی بڑی بڑی سلوں کا بنا ہوا ہے۔ گرائینٹ کے ۲۶ ستونوں نے گنبدوں کے سلسلہ طویل کو اٹھا رکھا ہے۔ بڑا گنبد درمیان میں ہے۔ زائر جب مسجد کی دہلیز عبور

کر کے اندر قدم رکھتا ہے تو وہ ایک حیرت انگیز منظر میں ڈوب جاتا ہے اور اُسے محسوس ہوتا ہے۔ جیسے گنبدوں کی رداس کے ساتھ ساتھ مخروطی عمارت ہے جو آخر کار درمیان کے بڑے گنبد میں جا کر گر جاتی ہے۔ عمارت کی خوبصورتی کو ہم عربی زبان میں یوں ادا کریں گے کہ آیتہ فی فن العمارۃ و فن الزخرفۃ۔ یہ عمارت جس معمار کا کرشمہ ہے اُس کا نام محمد آغا تھا۔ چونکہ مسجد کی دیواریں نیلے اور سبز نقوش سے مزین ہیں اس لیے اُسے مسجد نیلیوں کہا جاتا ہے۔ مسجد کے اندر حجرِ اسود کا ایک ٹکڑا بھی موجود ہے۔

ترکوں کی اصل طلب؛ نماز عصر کے بعد نمازیوں کا جم غفیر میری طرف پلکا۔ کوئی میرے ہاتھ کو بوسہ دیتا اور کوئی میرے لباس کو مس کرتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں ترک نمازیوں کی نگاہ میں کوئی پیر منغاں تھا۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں مسلمان اور پاکستانی ہوں۔ عہدِ نقاد ریز گینگ نے لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ میں پاکستان کے بڑے عالمِ دین، اور اسلامی مفکر اور خدا رسیدہ بزرگ کا شاگرد ہوں۔ تو پھر کیا تھا حاضرین کی عقیدت دو چند ہو گئی اور لگے ہاتھوں مجھے تقریر کی دعوت پیش کر دی گئی۔ حاضرین میں یونیورسٹی کے طلبہ اور بعض پروفیسر بھی تھے اور اکثریت تاجروں کی تھی۔ میں نے اُن لوگوں کے اصرار پر قرآن کریم کا ایک رکوع تلاوت کیا اور اُس کے بعض حصوں کی تشریح کر دی۔ اور یوں جوابِ عقیدت کے بارے میں شک و شبہ نہ ہوا۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ دل ترکی کی سیاحت کو جائے تو اُسے پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔ کہ اُسے کسی بھی وقت تقریر کے لیے مجبور ہونا پڑے گا۔ کم از کم ترک اس سے قرآن کریم کا کچھ حصہ یا کوئی عربی یا فارسی نعت یا سنون دعائیں اور مناجاتیں سُننے بغیر محاف نہیں کریں گے۔ اور اگر انہیں یہ محسوس ہو گیا کہ زائر کو مذہب سے دلچسپی نہیں ہے تو اُن کی دلچسپی بھی زائر سے کم ہو جائے گی۔ ترکی میں سیاحوں کی کمی نہیں ہے۔ دنیا بھر کے سیاحوں سے ترکوں کا پالا پڑنا ہے۔ وہ سیاحوں کو ذریعہ آمدنی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ بے شک وہ سیاح کی بھرپور خدمت کرتے ہیں مگر مادی احساسات کے تحت۔ لیکن ترکوں کے دل میں وہی اتر سکتا ہے جو اُن کے پاس اسلام کی سوغات سے کر جائے۔

لے ترکی میں تقریباً ۱۷ لاکھ سیاح سالانہ آتے ہیں۔ ان میں سے ۳ لاکھ کے قریب وہ سیاح ہیں جو صرف یورپ سے آتے ہیں۔

روزنامہ بگن | استنبول کے جن لوگوں سے مجھے ملنے کا بے حد شوق تھا ان میں سے بگن اخبار کے ایڈیٹر اور مالک محمد شوکت ایچی بھی تھے۔ روزنامہ بگن (جس کا اردو ترجمہ امروز ہے) پچھلے سال معرض وجود میں آیا ہے۔ مگر اس کی تند و تیز تحریریں اور حیرت انگیز انکشافات اور بے لاگ تنقیدوں نے پورے ترکی میں پھیل چکا رکھی ہے۔ سعودی عرب اور لبنان کے اخبارات میں بگن کی تحریریں کے عربی تراجم نظروں سے گزرتے رہے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ترکی کے اسلامی محاذ میں ایک نڈر مجاہد کا اضافہ ہو گیا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کے مرکزی دفتر (مکہ مکرمہ) کے ایک دوست نے بڑی تاکید کی تھی اور تعارفی خط بھی دے دیا تھا کہ میں محمد شوکت صاحب سے استنبول میں ضرور ملوں۔ چنانچہ میں نے نائٹ آفندی سے اپنے ارادے کا اظہار کیا اور طے پایا کہ مغرب کے بعد بگن اخبار کے دفتر میں جاؤں گے۔ افطاری آج بھی مدرسہ امام دخطیب میں تھی۔ افطاری سے پہلے کا دفعہ گزارنے کے لیے دوست مجھے ترک طلبہ کی فیڈریشن کے دفتر میں لے گئے۔ میرے لیے یہ تباہاں مشکل ہے کہ کس شمارے اور کس سمت یہ دفتر واقع ہے۔ یوسف صاحب کی موٹر اور صر سے اُدھر لیے لیے پھرتی رہی اور میں موٹر کے اندر بیٹھا کبھی استنبول کے خوبصورت مگر خلیق مغربی لباس میں ملبوس مگر جذبہ ایمانی سے بھرپور لوگوں کے چہروں پر تھکائی نظریں ڈالتا، کبھی استنبول کی قدیم و جدید عمارتوں کے منظر سے اپنی بے تاب نگاہوں کی خدمت کرتا، کبھی ساتھیوں سے پوچھتا کہ سلاطین کا قدیم قصر توپ کا پی کہاں ہے، اسلامی میوزیم کہاں ہے۔ دولاباغچہ کا قصر کہاں ہے، باب عالی کہاں ہے، اور وہ چار جزیرے کہ ہر واقعہ میں ہوشہرہ اول کے جزیرے کہلاتے ہیں جن کا قدرتی حسن بلا کا فتنہ خیر تبا یا جانا ہے۔ اور کبھی ان سٹی باتوں سے ہٹ کر اسلامی آثار اور اسلامی کتب خانوں کا تذکرہ چھیڑ دیتا۔ کیفیت یہ تھی کہ۔

زفر قیام بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جایی جاست

ترک طلبہ کی تنظیمیں | باتوں باتوں میں ہم ترک طلبہ کے وفاق ملی کے مرکز میں پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی وسیع عمارت ہے جس کی دوسری منزل پر بہت کشادہ ہال ہے اور اطراف میں چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ جن میں دفاتر ہیں۔ نچلے حصے میں تیسوں کی معلومات اور رہنمائی کا دفتر ہے جس میں طلبہ ہی رضا کارانہ

خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ غیر ملکی زائرین کے لیے طلبہ کی یہ خدمت بڑی قابلِ قدر بلکہ قابلِ رشک ہے۔ دل میں بار بار یہ خواہش اٹھتی رہی کہ کاش اپنے ہاں بھی طلبہ کی تنظیمیں اس پہلو پر توجہ دیں۔ مرکز کی اس وقت مرمت اور صفائی ہو رہی تھی اس لیے بعض دفاتر بند تھے۔ وفاق ملی کے نائب صدر جناب حسین جوہکن سے ملاقات ہو گئی۔ وفاق کے جنرل سیکرٹری بھی آگئے۔ وقت اگرچہ کم تھا مگر دونوں بڑے تپک سے ملے اور مولانا محترم کی صحت و عافیت دریافت کرنے لگے۔ وفاق کے نائب صدر اور جنرل سیکرٹری دونوں اسلام پسند ہیں۔ اگرچہ وفاق میں مختلف الخیال عناصر پائے جاتے ہیں مگر اسلام پسندوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ وفاق کی طرف سے ایک ماہانہ رسالہ نکلتا ہے جس میں اسلامی مفکرین کے مضامین بھی چھپتے ہیں۔ حسین جوہکن مسکرا کر کہنے لگے کہ حضرت مودودی ترکی آرہے ہیں، ہم ان کی آمد سے پہلے ہال کی صفائی کروا رہے ہیں۔ ان کی سب سے پہلی تقریر اسی ہال میں ہوگی۔ ہم چاہتے ہیں کہ حضرت کے شایانِ شان ہال کی سچ دھج ہو اور ہماری قدیم آرزو طہراق سے بروئے کار آئے۔ میں یہ مٹن کر دل میں سوچنے لگا کہ استنبول تو اپنی جگہ مولانا محترم کے استقبال کے لیے زور و شور سے تیاریاں کر رہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ مولانا محترم اس حالت میں کیسے یہ بار اٹھا سکیں گے۔ حسین جوہکن جس خوشی میں گن تھے میں نے یہ بتا کر اُسے مکدر کرنے کی کوشش نہیں کی کہ مولانا محترم کا ترکی ٹھہرنا یقینی نہیں ہے۔ حسین جوہکن نے بتایا کہ استنبول کے ہوائی اڈے پر مولانا محترم سے ان کی ملاقات ہو چکی ہے۔ مگر ہم منٹ کی اس ملاقات نے آتش شوق کو تیز تر کر دیا ہے۔ میں نے بات کا رخ موڑتے ہوئے حسین سے پوچھا کہ طلبہ میں اسلامی رجحانات کے فروغ کا کیا حال ہے؟ بتانے لگے کہ اسلامی رجحان برق رفتار سے بڑھ رہا ہے اور طلبہ صاف طور پر دو گروہوں میں بٹتے جا رہے ہیں۔ ایک اسلام پسند اور دوسرا قوم پرست۔ مؤخر الذکر گروہ میں آزاد خیال، سوشلسٹ اور مغرب پرست تمام عناصر شامل ہیں۔ اسلام پسندوں کا محاذ بڑے سنجیدہ، دلیر اور غلصہ کار کنوں پر مشتمل ہے۔ دونوں کا مقابلہ زبردست ہے۔ اور دونوں مختلف انداز سے پنجہ آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ حسین جوہکن بڑے اعتماد اور جگر داری کے ساتھ کہنے لگے کہ ”مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے۔“

ترک طلبہ کی ایک اور تنظیم کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس تنظیم کا نام ہے اسلامک انٹی ٹیوٹ فیڈریشن آف ترک طلبہ۔ یہ بڑی جہاد تنظیم ہے۔ اس کی طرف سے اسلام مذہبیت (مدن اسلام) کے نام سے ایک ماہانہ میگزین بھی استنبول سے نکلتا ہے جس میں ترک اہل قلم کے علاوہ مولانا مودودی، مولانا ابوالحسن ندوی، شیخ یوسف قرضاوی، ڈاکٹر حمید اللہ اور انوانی رہنماؤں کے مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔ جہاں جہاں اسلامک انٹی ٹیوٹ قائم ہیں اس تنظیم کی شاخیں موجود ہیں۔ یہ تنظیم اسلام کے احیاء کے لیے بڑی موثر کوششیں سرانجام دے رہی ہے۔ "اسلام مذہبیت" میگزین جس معیار کا پرچم ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا ستمبر ۶۸ء کا شمارہ فتح استنبول نمبر تھا اور محمد الفاتح کے ہاتھوں استنبول کی فتح کو ۵۱۵ سال گزرنے پر نکالا گیا تھا۔ اس طرح نزول قرآن کی پورہ صد سالہ تقریب پر بھی اس نے خصوصی نمبر نکالا تھا۔ مولانا مودودی جب لندن جاتے وقت استنبول کے ہوئی اڈہ پر ٹھہرتے تھے تو اس تنظیم کے کارکنوں کا ایک وفد مولانا محترم سے ملا اور اس نے اپنی تنظیم کی طرف سے اپنے میگزین کا ایک سیٹ ترکی جھنڈے میں لپیٹ کر اس ٹائیٹل کے ساتھ مولانا محترم کی خدمت میں پیش کیا کہ BÜYÜK İSLAM MUCAHİDİWE

(اسلام کے مجاہد اعظم کی خدمت میں مذہبیت عقیدت)۔ میں نے اپنے ترک دوست صالح اوزجان سے دریافت کیا کہ ترکی جھنڈے کے اندر میگزین کو لپیٹ کر پیش کرنے میں کیا حکمت تھی؟ صالح اوزجان نے بتایا کہ ترکی کا پرچم سرخ جس کے وسط میں سفید رنگ کا ستارہ و ہلال ہے اب سیکولرزم کا شعار نہیں اسلام کا شعار بنے گا۔ طلبہ کی مذکورہ بالا دونوں تنظیمیں عربوں کی حمایت اور یہودیوں کی جارحیت کے خلاف آواز بلند کرتی رہتی ہیں۔ میرے رفیق ناٹف آفندی نے بتایا کہ اس ہال میں یون کے پہلے ہفتے میں یوم فلسطین منایا گیا ہے۔ اور ایک عظیم اجتماع منعقد کیا جا چکا ہے جس میں ۲ ہزار طلبہ شریک ہوئے تھے۔ مرکز کے بیرونی دروازے کی پیشانی پر ایک نمبر لٹکا یا گیا تھا جس پر لکھا ہوا تھا "فلسطین میں یہودیوں کے مظالم"۔ ایسے ہی ۲۵ ستمبر استنبول کی مختلف سڑکوں پر لگائے گئے تھے۔ اجتماع کمیٹی کی طرف سے مسئلہ فلسطین کے موضوع پر شہر میں وسیع پیمانے پر لڑ پھر تقسیم کیا گیا۔ ہال کے اندر کاش لگائی گئی جس میں فلسطینی مہاجرین اور ناپام بموں سے متاثر ہونے والوں کی تصاویر پیش کی گئیں۔ مختلف طریقوں سے یہ دکھایا گیا کہ یہودیوں کے آئندہ عزائم کیا ہیں۔ ایسیج پر مسجد اقصیٰ کی بہت بڑی تصویر نصب تھی۔ مختلف مقررین نے تقریریں کیں۔ ترکی شعرا نے نظمیں سنائیں جنہیں سن کر

لوگ رو رہے تھے۔ الغرض طلبہ نے مسلمانوں کے اس اہم مسئلہ پر ترک ملت کو متوجہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ ہے اُن مسلمان نژادوں کا رویہ جنہیں عرب برابر ملعون کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بقیہ اشارات

سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ مذہبی اجارہ داریوں کے تسلط سے آزاد ہوتی ہے تو صنعتی اور تجارتی اجارہ داریوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔ وہ مذہبی روایات کے بندھن توڑتی ہے تو اجتماعیت کی جگر بند یوں میں جکڑی جاتی ہے۔ وہ عدل و انصاف کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مارتی ہے تو اپنی متاع آزادی کھو بیٹھتی ہے۔ آپ انسان کی محدودی کے اسباب کا جس قدر تجزیہ کریں گے ایک ہی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کی بنیادی وجہ اجتماعی زندگی کی صورت گری کرنے والی طاقت پر شیطان کا قبضہ ہے۔ اگر قلب و دماغ کی تطہیر کے لیے خون کی طرح گردش کرنے والے اندر کے شیطان سے جنگ آزما ہونا ناگزیر ہے اور یہ ایمان کا بنیادی تقاضا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جو شیطان خارج میں انسان کی پوری زندگی پر قابض ہو کر اسے کفر و الحاد کی راہ پرے جا رہا ہے اس کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔

جماعت اسلامی کو کسی فرد یا کسی گروہ سے کوئی پرغاش نہیں، بلکہ اس کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن یہ بات ہے کہ فرد محیثیت فرد کے تو نیکی اور بھلائی کا طالب اور آرزو مند ہو، اپنے خالق اور مالک کی غلامی کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہو، لیکن جب یہ سارے افراد اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے لگیں تو پھر خدا سے بغاوت کی راہ اختیار کریں۔ وہ قوت جو انہیں باطل کی اس راہ پر زبردستی دھکیل کر لے جاتی ہے اس قوت کے خلاف جدوجہد دین کے قیام کے لیے بے حد ضروری ہے اور یہی وہ کام ہے جو جماعت اسلامی کر رہی ہے اور دوسروں کو کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

طاغوت سے بچہ آزمائی ہمارے نزدیک دنیا داری نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔ ہم اس کی غیر معمولی قوت